مستشرقین کا فنِ سیرت نگاری اور مسلمانوں کی ذمہ داری

ڈاکٹر محمد ذکی

آج تک جتنی کتابیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر لکھی گئی ہیں اتنی غالباً دنیا کے کسی بھی دوسرے انسان کی سیرت پر نہیں لکھی گئیں۔ ان سیرت نگاروں میں بلاشبہ اکثریت اُن عقیدت مندوں ہی کی ہے جو آپ کے دامنِ رسالت سے وابستہ ہیں، لیکن ایک بہت بڑی تعداد اُن اہلِ قلم کی بھی ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے تو قائل نہیں لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر سیرت اور تاریخِ اسلام سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں، مثلاً وہ یہودی اور عیسائی مصنفین (جو مستشرقین کے نام سے موسوم ہیں اور) جنھوں نے تقریباً ایک ہزار سال کی مدت میں سیرت اور تاریخِ اسلام پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں اور اب بھی پورے انہماک کے ساتھ لکھ رہے ہیں۔ ان کا ایک علمی کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے بڑی تلاش و جستجو کے بعد اصل اور قدیم مآخذ کا سراغ لگایا اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے قلمی نسخوں کو جمع کیا، انھیں ایڈٹ کیا اور مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے بھی شائع کیے۔ اس طرح انھوں نے اسلام پر اتنا وسیع علمی سرمایہ مہیا کر دیا ہے کہ اب جو بھی سیرت یا اسلام پر قلم اٹھاتا ہے اس کے لیے ان کی تصانیف سے استفادہ یا تعرض ناگزیر ہو جاتا ہے۔

ان کی علمی کاوشوں کو عام طور پر سراہا گیا ہے لیکن اسلامی حلقوں میں یہ احساس برابر رہا ہے کہ انھوں نے سیرت اور اسلام کو پیش کرنے میں علمی دیانت، غیر جانبداری اور وسعتِ نظر سے کام نہیں لیا بلکہ غلط بیانی اور تعصب سے کام لیتے ہوئے جان بوجھ کر واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور تاریخِ اسلام کو مسخ کرنے کی منظم کوشش کی ہے۔

اگر یہ الزام صحیح ہے تو بہت سنگین اور دور رس نتائج کا حامل ہے۔ کیونکہ مستشرقین نے نہ صرف انگریزی بلکہ دنیا کی اور دوسری زبانوں میں بھی اسلام پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں لہٰذا وہ تمام لوگ جو عام طور پر عربی یا مسلمانوں کی تصانیف سے براہِ راست استفادہ نہیں کر سکتے انہی کی کتابیں پڑھیں گے اور وہی کچھ جان اور سمجھ پائیں گے جو وہ اسلام کے بارے میں بتانا اور سمجھانا چاہتے ہیں اس طرح ان کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر نہیں آپائے گی اس کے علاوہ آنے والی نسلیں جو اسلام کو ان مستشرقین کی نظروں سے دیکھیں گی وہ بھی اسلام سے بدگمان ہی رہیں گی۔

ان حالات کے پیشِ نظر اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کی تصانیف کا متوازن اور محققانہ جائزہ پیش کیا جائے، ان کی خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف اور خامیوں کو آشکارا کیا جائے تاکہ دنیا اندھیرے میں نہ رہے اور اسلام کو اس کے صحیح روپ میں دیکھ سکے۔ زیرِ نظر مقالہ میں اسی امر کی کوشش کی گئی ہے۔

مستشرقین کی تصانیف کا تنقیدی جائزہ لینے سے پہلے اُن حالات پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے جن میں یہ کتابیں لکھی گئی ہیں تاکہ اُن عوامل کی نشاندہی ہو سکے جو ان علمی کاوشوں کی تہہ میں کارفرما رہے ہیں۔ یہاں ہم چند تاریخی حقائق آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن کی روشنی میں امید ہے معاملہ کی نوعیت سمجھنے میں مدد ملے گی۔

(۱) قرآن کریم نے صراحت کی ہے کہ تاریخ انسانی کے ابتدائی دور سے ہی خالق کائنات کی طرف سے ہر دور اور ملک میں اللہ کی بندگی کی دعوت دینے والے رسول آتے رہے ہیں اور بہت سی قوموں کی ہدایت کے لیے مستقل کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں لیکن ان رسولوں کے پیروؤں نے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیوی فوائد کی خاطر اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام میں رد و بدل کر ڈالا اور کتابوں میں تحریف کر دی اس طرح انھوں نے اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں (اسلام) کو مسخ کر دیا۔ بالآخر اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسی قدیم دینِ اسلام کا احیاء فرمایا اور بتایا کہ نوعِ انسانی کی فلاح کا یہی ایک راستہ ہے کہ اللہ کی بندگی اختیار کی جائے، اس کے سوا تمام طریقے گمراہی پر منتج ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دنیا کے دوسرے مذاہب سے تعرض ناگزیر تھا اس لیے قرآن نے دنیا کے مشہور مروجہ مذاہب کی تاریخ پر روشنی ڈالی، اُن کی خصوصیات بیان کیں، ان کے ماننے والوں کے

کارنامے بیان کیے اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی غلط روش پر نکتہ چینی بھی کی۔

چونکہ قرآن سب سے بعد میں نازل ہوا ہے اس لیے اس میں دوسرے مذاہب سے تعرض کیا گیا ہے جبکہ دوسرے مذاہب کی کتابوں میں اسلام اور مسلمانوں سے تعرض کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) اس ضمن میں قرآن نے یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی، ان کے عقائد کی اصل بتائی اور ان کے عقاید و کردار پر بھی تنقید کی۔ انھیں سمجھایا کہ تم اپنے مروجہ مذاہب سے خود اپنے ہی ڈالے ہوئے پردے اٹھا دو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی دین کی دعوت دے رہے ہیں جس کی حضرات موسیٰؑ اور عیسیٰؑ دے چکے ہیں، تمہاری اور دنیا کی تمام آسمانی کتابوں کی سچائیاں قرآن میں سمیٹ لی گئی ہیں اس اعتبار سے اسلام اقوام عالم کی کھوئی ہوئی میراث ہے جو اب عام کی جا رہی ہے۔

(۳) اس کا ردِّ عمل یہ ہوا کہ عام طور پر یہودیوں اور عیسائیوں نے جو سرزمین عرب میں بھی آباد تھے اسلام کی دعوت کو رد کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں بحث و استدلال کا سلسلہ شروع ہوا جس کی زد میں ان کے بنیادی عقاید بھی آ گئے، تنقید انھیں ناگوار تھی اور مروجہ اصول مذاہب کو ترک کرنا گوارہ نہیں تھا۔ انھوں نے سخت رویہ اختیار کیا، بالآخر ان سے اسلام کا تصادم ہوا، متعدد جنگیں ہوئیں اور بتدریج انھیں سرزمین عرب سے نکلنا پڑا۔

انھیں اپنی شکست کا احساس تھا، اور دلوں میں جذبۂ انتقام موجزن تھا، یہی تلخ یادیں لیے ہوئے یہودی اور عیسائی مشرق وسطیٰ کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے لیکن یہ تلخ یادیں ان کی نسلوں میں منتقل ہوتی رہیں۔

(۴) اس کے بعد خلافت راشدہ کا دور آیا، اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، ایران و عراق، شام و فلسطین اور مصر بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ ایک طرف ساسانی اور دوسری طرف سلطنتِ رومہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، پھر خلافت بنوامیہ کے دور میں اسپین اور یورپ کی سرزمین میں اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ ان فتوحات نے دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا لیکن سب سے زیادہ یہودی اور عیسائی متاثر ہوئے کیونکہ

(۱) ان کا بہت بڑا سیاسی نقصان ہوا تھا، وہ اس طرح کہ سلطنت رومہ عیسائیت کی علمبردار اور محافظ تھی اور اس کا دائرۂ اقتدار بہت وسیع تھا۔ یورپ کے بیشتر ممالک کے علاوہ مصر اور شام و فلسطین کے زرخیز علاقے بھی اس کی قلمرو میں شامل تھے لیکن ان علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور رومیوں کو ہر جگہ پسپا ہونا پڑا، اور بالآخر سلطنت رومہ کا شیرازہ بکھر گیا اس کی وجہ سے عیسائیت کو بہت بڑا دھکا لگا۔

ان علاقوں میں جو مسیحی امراء اور جاگیردار تھے وہ جاگیروں سے محروم ہوگئے اور سلطنت رومہ کی ان علاقوں سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ یہ سیاسی نقصان ان علاقوں ہی تک محدود نہیں رہا کیونکہ اس کے بعد اسلامی افواج سرزمین یورپ میں بھی داخل ہوگئیں اور وہاں کے برسراقتدار طبقہ، امراء اور جاگیرداروں کو بھی فکر لاحق ہوگئی۔ اس طرح ایک سیاسی بحران پیدا ہوگیا۔

(۲) مذہبی حیثیت سے بھی عیسائیت اور یہودیت کو بہت بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ فلسطین (بیت المقدس) یہودیوں اور عیسائیوں کا ایک قدیم مذہبی اور روحانی مرکز تھا جو اب مسلمانوں کا دوسرا مذہبی مرکز بن چکا تھا۔ یہودی اور عیسائی ان علاقوں میں ذمی کی حیثیت سے رہ رہے تھے یا نکل چکے تھے۔ مسلمانوں کا بیت المقدس پر قبضہ یقیناً یہود و نصاریٰ کو کھٹک رہا تھا۔

اس کے علاوہ بڑی تعداد میں عیسائی دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، یہ دوسرا نقصان ہو رہا تھا۔ خود عیسائیوں کو اپنے مذہب کے بارے میں طرح طرح کے شبہات پیدا ہو رہے تھے بالخصوص اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کے اصولوں کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا، یہ وہ صورت حال تھی جس سے یہودیوں بالخصوص عیسائیوں کا مذہبی طبقہ بہت پریشان تھا۔

(۳) حکمراں طبقے اور مذہبی اجارہ داروں کے علاوہ تجارت پیشہ لوگوں پر بھی اسلامی فتوحات کا گہرا اثر ہوا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔ بہت قدیم زمانہ سے مشرق و مغرب کے درمیان بحری راستہ سے جو تجارت ہوتی رہی تھی اس پر عربوں کا تسلط تھا۔ جنوبی عرب کے تاجر سمندری راستہ سے ہندوستان، جزائر ہند، لنکا (سیلون) اور چین وغیرہ سے سامانِ تجارت جہازوں پر لاد کر یمن کے بندرگاہوں تک لے جاتے۔ وہاں سے افریقہ کے بندرگاہوں پر لے جاکر فروخت کرتے تھے، پھر مکہ کے تاجر (قریش) عدن وغیرہ سے یہ سامان بحر احمر کے کنارے کنارے

ہوتے ہوئے مکہ میں لاتے، پھر مدینہ کے قریب سے گزرتے ہوئے شام تک لے جاتے تھے اور وہاں خوب نفع کے ساتھ یہ چیزیں فروخت کرتے تھے۔ وہاں سے یہ مشرقی اشیاء بحیرۂ روم کی بندرگاہوں سے گزر کر یورپ کے ممالک میں فروخت ہوتی تھیں۔ لیکن یورپ کے تاجروں کو مشرق سے برآمد شدہ چیزیں عرب تاجروں ہی سے خریدنا پڑتی تھیں کیونکہ بحیرۂ روم اور ہندوستان کے درمیان کا بحری راستہ عربوں کے تسلط میں تھا۔ یہ چیز یورپ، افریقہ اور ایران کو شاق گزرتی تھی لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر یہ تینوں حکومتیں عربوں کو اس بین الاقوامی تجارت سے بے دخل نہ کرسکیں[۱]۔

سلطنتِ روما اس تجارتی شاہ راہ پر کنٹرول تو کیا حاصل کرتی خود بحیرۂ روم کے بندرگاہوں کو بھی کھو بیٹھی۔ اس سے یورپ کا نظامِ تجارت درہم برہم ہوگیا اور وہاں کے تاجر پریشانی میں پڑ گئے۔

ان اشارات سے یہ بات بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ اسلامی عروج اور فتوحات سے عیسائیوں کا برسرِ اقتدار طبقہ سیاسی طاقت سے محروم ہوا، مذہبی طبقہ اور امراء اور جاگیرداروں ہی کے مفادات پر ضرب نہیں پڑی تاجروں کو بھی نقصان پہونچا، لیکن یہ سب مل کر بھی اسلامی فتوحات کے سیلاب کو روکنے میں بُری طرح ناکام ہوچکے تھے اور انھیں یہ بھی ڈر تھا کہ یورپ کے باقی ماندہ علاقوں میں بھی کہیں مسلمانوں کے قدم نہ جم جائیں۔ لہٰذا ان تمام طبقوں نے مل کر پھر ایک منظم کوشش کی کہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے مسلمانوں سے واپس لیں۔

(۵) اس مقصد کے حصول کے لیے سیاسی طاقتیں، امراء، جاگیردار، پادری اور تاجر سب مل گئے، اپنے اپنے مفادات کے تحفظ اور کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنے کے لیے عوام کی حمایت ضروری تھی۔ وہ اس طرح حاصل کی گئی کہ انھیں بتایا گیا کہ اسلام عیسائیت کا سب سے بڑا دشمن ہے، اس نے مسیحی دنیا کو تباہ و برباد کرڈالا ہے، گرجاؤں کو مسجدوں میں بدلا اور عیسائیوں کو جبراً مسلمان بنایا جارہا ہے، صلیب توڑی جارہی ہے، اور عیسائیت "خطرہ" میں ہے۔ اٹھو اور اس وحشی قوم سے اپنے مقدس گرجاؤں کو بچاؤ۔ پادریوں، مقرروں، ادیبوں اور شاعروں نے اسلام کے خلاف مسیحی دنیا کے جذبات بھڑکائے، نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائی فوجوں کا ایک سیلاب یورپ سے امنڈ آیا جو اسلامی

۱؎ اس سلسلہ میں مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں تفہیم القرآن جلد ششم میں سورہ الفیل اور قریش کی تفسیر

دنیا کو بہلائے جانا چاہتا تھا۔ یہی فوجی سیلاب اور تصادم صلیبی جنگوں کے نام سے مشہور ہے جس کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب عوام کو مشتعل کرنے کے لیے جاہلوں کے علاوہ پڑھے لکھے اور سنجیدہ اہلِ قلم نے بھی نہ صرف جھوٹ، مہمل اور مضحکہ خیز باتیں پھیلائیں بلکہ اسلام کے خلاف نہایت رکیک الزامات لگائے۔

اس پس منظر اور ماحول میں سیرت اور اسلام پر جو کچھ لکھا گیا اور جس اسپرٹ کے تحت لکھا گیا اس میں کتنی علمی دیانت ہوگی اس کا سمجھنا کچھ زیادہ دشوار نہیں ہے۔

(۶) نفرت اور دشمنی کی فضا میں جبکہ ہر طرف زہر افشانی ہو رہی ہو اور اسلام کے خلاف مکروہ پروپیگنڈہ جاری ہو عوام کا تو کہنا ہی کیا تعلیم یافتہ طبقہ بھی بہہ جاتا ہے۔ اس سیلاب کو صرف وہی لوگ روک سکتے تھے جن کو اسلام کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہوں، جو ایمان داری اور دیانت سے کام لیں اور جن کا تنقیدی شعور بیدار اور پختہ ہو۔ لیکن یہی ایک طبقہ یورپ میں نا پید تھا۔

(۷) مغربی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سلطنت رومہ کا زوال پانچویں صدی عیسوی ہی میں شروع ہو گیا تھا اور اسلام نے اس تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔ سلطنت رومہ کے زوال کے ساتھ ہی علم و تمدن کی شمعیں بھی گل ہو گئیں اور ذہنی پستی اور تمدنی انحطاط کا عمل تیزی کے ساتھ شروع ہوا۔ اور تقریباً ایک ہزار سال تک اہلِ یورپ پر جمود طاری رہا۔ یہی وجہ ہے کہ پانچویں صدی سے لے کر تقریباً پندرہویں صدی تک کے اس ایک ہزار سالہ دور کو یورپ کی تاریخ میں تاریک دور (Dark Age) یا ازمنہ وسطی (Medieval Period) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک طرف یہ حال تھا اور دوسری طرف مسلمان اپنی وسیع سلطنت میں عظیم الشان تمدنی مراکز قائم کر رہے تھے، علم و فن کی شمعیں روشن کر رہے تھے، ہر میدان میں بے مثل ترقی کر رہے تھے اور ہر اعتبار سے اقوامِ عالم کی قیادت کر رہے تھے، یہود و نصاریٰ کو اس کا دکھ بھی تھا اور اس پر حیرت بھی۔

(۸) اس حقیقت کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ جہاں جہاں مسلمانوں نے اپنی حکومت قائم کی وہاں انتہائی رواداری کا ثبوت دیا اور غیر مسلموں کو مذہبی آزادی دی، ان کی جان،

مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی، ان کے ساتھ انصاف کیا اور انتظامی معاملات میں بھی انھیں شریک کیا۔ امن وسلامتی کے اس ماحول میں ان غیر مسلموں کو اسلام کو قریب سے دیکھنے کا اور مسلمانوں کے اخلاق اور کردار جانچنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیشتر غیر مسلموں بالخصوص ان علاقوں کے عیسائیوں نے بخوشی اسلام قبول کرلیا اور اس کے پرجوش مبلغ اور علمبردار بن گئے لیکن یورپ کے عیسائیوں اور یہودیوں کی حالت بالکل مختلف تھی۔

یہ اسلامی دنیا سے الگ تھے، ان پر خوف مسلط تھا، ان کے کانوں میں زہر گھولا جا رہا تھا، ان کے دلوں میں اسلام سے نفرت بھری جا رہی تھی۔ ان کے مذہبی اور سیاسی رہ نما انھیں باور کرا رہے تھے کہ اسلام عیسائیت کا حریف اور سب سے بڑا دشمن ہے۔

(۹) اسلام سے نفرت اور دشمنی کے اس ماحول میں اہلِ یورپ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تاریخ اسلام پر کتابیں لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ کیا اسلام کو سمجھنے کے لیے، اس کو صحیح ڈھنگ سے پیش کرنے کے لیے، عوام کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے؟ نہیں۔ ان میں سے کوئی مقصد نہیں تھا بلکہ صرف عیسائیت کا دفاع اور عیسائیوں کو اسلام قبول کرنے سے روکنا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے یورپ کے اہلِ قلم نے جو منصوبہ بنایا اس کا مختصر خاکہ اس طرح ہے:

عیسائیوں کو یہ بتایا اور سمجھایا جائے کہ عیسائیت ہی سچا مذہب ہے ابنیت (یعنی کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں) تثلیث (یعنی خدا، مسیح، اور روح القدس تین خدا اور تینوں ایک خدا ہیں)، اور کفارہ (یعنی حضرت مسیح نے صلیب پر جان دے کر عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا) بالکل صحیح اصول ہیں۔ اسلام مسیحیت کی ضد ہے، مسلمان عیسائیوں کے دشمن ہیں، وحشی ہیں، گمراہ ہیں، انھوں نے عیسائیت کو زبردست نقصان پہنچایا ہے، ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ عیسائیوں کی زمینوں پر قبضہ کیا جائے، انھیں غلام بنایا جائے، ان کی "مقدس" صلیب کی توہین کی جائے، ان کے گرجاؤں کو مسجدوں میں بدل دیا جائے اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کرلیا جائے۔

جب سے اسلام کا ظہور ہوا ہے عیسائیت برابر پسپا ہو رہی ہے۔

چونکہ عیسائیت ایک سچا اور آسمانی مذہب ہے اس لیے جو بھی اس کا مخالف اور دشمن ہے وہ یقیناً گمراہ ہے۔ اسلام عیسائیت کا مخالف ہے اس لیے ایک باطل مذہب ہے، اور باطل مذہب

کو مٹانا عیسائیت کی سب سے بڑی خدمت ہے اور اس نیک مقصد کے لیے جو طریقے بھی اختیار کیے جائیں وہ جائز ہیں۔

اس مذہبی فریضہ کو ادا کرنے کے لیے یہی مناسب سمجھا گیا کہ اسلام کو انتہائی مکروہ شکل میں پیش کیا جائے اور خاص طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں کہی جائیں جن سے یہ بات واضح ہو جائے کہ ایسی سیرت کا انسان ہرگز خدا کا رسول نہیں ہو سکتا چنانچہ جتنی جھوٹی، مہمل، مضحکہ خیز اور رکیک باتیں ممکن تھیں وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے بارے میں کہی اور لکھی گئیں۔[1]

چونکہ مستشرقین کی تصانیف ایسی باتوں سے بھری پڑی ہیں اس لیے ان کی فہرست مرتب کرنا بہت دشوار ہے البتہ چند خاص باتیں بطور نمونہ نقل کیے دیتے ہیں۔ نقل کفر کفر نباشد کہا گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک حقیر اور معمولی گھرانہ میں پیدا ہوئے، بے جوڑ شادی کی، شرک و بت پرستی میں مبتلا رہے، اپنی حیثیت اور مقام کو بلند کرنے کے لیے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، ایک قسم کے جنون کے دورے پڑتے تھے اسے وحی سمجھ لیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ایک پرندہ کو آپ نے تربیت دی تھی جو بلانے پر آپ کے کان میں پڑے دانے کھانے لگتا تھا، یہی آسمانی وحی تھی، اور ایک بیل یا اونٹ کو سدھا لیا تھا جو آواز دینے پر چلا آتا، اس کے سینگوں سے قرآن بندھا ہوتا تھا، بس یہی نزول قرآن تھا۔ آپ نے نہایت ہوشیاری سے عربوں کے مشرکانہ عقاید، اور یہودیوں اور عیسائیوں کے عقاید سے متاثر ہو کر ایک نیا مذہب اسلام کے نام سے چلایا، یہودیوں اور عیسائیوں سے کچھ باتیں سُن رکھی تھیں انہی کو رد و بدل کے ساتھ قرآن میں داخل کر لیا، دنیوی اغراض کی خاطر کچھ لوگوں نے اس مذہب

---

[1] حال ہی میں ایک کتاب "اسلام اور مغرب" از نارمن ڈینیل (Norman Daniel) شائع ہوئی ہے جس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ (Edinburgh, 1960, 1962, 1966, 1980)
ظہور اسلام کے وقت سے اب تک یورپ کے عوام اور دانشوروں نے اسلام کے بارے میں جو کچھ کہا، سمجھا اور لکھا ہے، اسی کا ایک متوازن تجزیہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے ——— مصنف موصوف نے اس عہد کی کتابوں کے حوالوں سے اسی مقصد کی وضاحت کی ہے جس کا اوپر ہم نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مذکورہ بالا کتاب صلا، ۲۲۹۔

کو قبول کرلیا۔ اکثر نے مخالفت کی، پھر آپ نے بت پرستی سے مصالحت کر لی لیکن جلدی اپنے قدم پیچھے ہٹا لیے۔ مدینہ کی صورت حال سے فائدہ اٹھا کر وہاں قدم جما لیے، قریش کے قافلوں کو لوٹنا شروع کیا اور پھر حکومت قائم کر لی۔ کبھی کوئی معجزہ نہیں دکھایا، پہلے یہودیوں کو خوش کرنے کی کوشش کی اور پھر مخالفت، اور بالآخر انھیں اُن کے وطن سے نکال دیا، اُن کا قتلِ عام کیا جو اسلام کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے۔ آپ کی ازدواجی زندگی بالخصوص حضرت زینبؓ اور حضرت عائشہؓ سے تعلقات کی نوعیت اور تعددِ ازدواج سے صاف ظاہر ہے کہ ایسی سیرت کا انسان خدا کا رسول نہیں ہو سکتا۔ ایک باطل مذہب چلانے کی سزا یہ ملی کہ آپ کی وفات بہت ہی بُرے حالات میں ہوئی[1]، آپ کے بعد عربوں نے چاروں طرف لوٹ مار شروع کر دی، جہاد کے نعرے لگائے، زبردستی مسلمان کیا، گرجاؤں کو مسمار کیا، ان کی جگہ مسجدیں بنائیں۔ اسلام کے اصول بھی اتنے ناقص ہیں کہ عیسائیت کے مقابلے میں ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتے، مثلاً جہاد، تعددِ ازدواج، طلاق، غلامی[2]

(۱۰) مستشرقین کے مآخذ کیا تھے؟ کچھ تو وہ بے بنیاد اور مضحکہ خیز باتیں جو ہارے اور بھاگے ہوئے سپاہیوں نے یورپ میں مشہور کر دی تھیں انہی کو سنجیدہ اہلِ قلم بھی بلاتکلف نقل کر دیتے تھے، بلکہ جہاں ضرورت محسوس کرتے اپنی طرف سے فرضی داستانیں گھڑ لیتے تھے۔ اسلام کو بدنام کرنا، اسے باطل مذہب سمجھنا اور اس کی برائیاں کرنا عیسائیت کی خدمت تصور کیا جاتا تھا، اور اس کے لیے غلط بیانی جائز سمجھی جاتی تھی۔

---

[1] اگرچہ نقل کفر کفر نباشد پھر بھی جو باتیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں کہی گئی ہیں ان کا نقل کرنا بھی بہت دشوار ہے مثلاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سلسلے میں لکھا گیا *That he 'was eaten by dogs .... or by pigs'* —— *Islam and the west, 40.*
اس کے علاوہ کتنی بیہودہ باتیں کہی گئی ہیں اس کا اندازہ اسی سے لگا لیجئے کہ نارمن ڈنیل کو اپنی کتاب کا آغاز ہی ان الفاظ سے کرنا پڑا ہے کہ "ناقل الکفر لیس بکافر"

[2] یہ باتیں عام طور پر سب ہی مستشرقین نے لکھی ہیں۔ ان کے حوالے "اسلام اور مغرب" میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ۳، ۵، ۹۷، ۱۰۱، ۶، ۷۹، ۸۰، ۶۸، ۹۲ وغیرہ وغیرہ۔

ایسا نہیں کہ مستند کتابیں ان کے علم میں نہیں تھیں یا دسترس سے باہر تھیں۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کم از کم تعلیم یافتہ یورپین اسلام کے بارے میں صحیح معلومات رکھتے تھے لیکن عیسائیت کی اندھی حمایت میں حقائق پر فرضی داستانوں اور بے بنیاد افواہوں کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اپنی تصانیف میں یہ عیسائیوں ہی کو خطاب کرتے تھے، اور انہی کے لیے لکھتے بھی تھے۔ اور عیسائی عوام ان بیانات سے یقیناً خوش ہوتے تھے جن میں اسلام کی مذمت اور اس کے اصولوں کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ لکھنے والوں کو اس بات کا ذرا خیال نہیں ہوتا تھا کہ مسلمان ان کتابوں کو پڑھ کر کیا کہیں گے۔ اس لیے بے دھڑک جو جی چاہتا لکھتے چلے جاتے تھے۔ یہ انداز بارہویں صدی عیسوی میں اختیار کیا گیا اور بعد کے مصنفین اسی راستہ پر چلتے رہے[1]۔

(۱۱) لیکن اب حالات کافی حد تک بدل چکے ہیں۔ اسلام اب ایک سیاسی خطرہ نہیں نہ آج اسلامی فتوحات کا سیلاب ہے نہ یورپ کی سرحدوں پر مسلمانوں کی یورش۔ اہل یورپ نے اپنے تمام علاقے مسلمانوں سے واپس لے لیے ہیں۔ بین الاقوامی تجارت پر نہ عرب قابض ہیں نہ مسلمان، بلکہ یورپ کی اقوام کا تسلط ہے۔

اس دوران اہل یورپ بہت سے انقلابات اور تحریکوں سے دوچار ہو چکے ہیں مثلاً نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) اصلاح مذہب (REFORMATION) اور روشن خیالی کی تحریک (ENLIGHTENMENT)۔ فرانس کا انقلاب، صنعتی انقلاب اور سائنسی انقلاب۔ ان تحریکوں اور انقلابات نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ تحقیق و تنقید کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ عیسائیت کی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ اب عام طور پر تعلیم یافتہ یورپین عیسائیت کے بنیادی اصولوں کو بھی شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور انھیں عیسائیت سے وہ لگاؤ نہیں رہا جو قرون وسطیٰ میں تھا۔

ظاہر ہے ان تحریکوں اور انقلابات کا کچھ نہ کچھ اثر مستشرقین پر بھی ہوا ہے، ان کا انداز بیان اور معیار تنقید بھی بدلا ہے۔ نئے موضوعات سامنے آئے ہیں اس کے علاوہ چونکہ عیسائیت سے وہ وابستہ

---

[1] اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے "اسلام اور مغرب" ۴۰، ۸۰، ۱۰۷، ۲۲۹، ۲۲۷، ۲۴۵، ۲۵۶ وغیرہ،

عقیدت نہیں رہی جو قرونِ وسطیٰ کے عیسائیوں کو تھی جس کے جوش میں وہ اسلام کے بارے میں بے بنیاد باتیں کہنا اور اس کے اصولوں کی مذمت کرنا دینی خدمت تصور کرتے تھے۔ بلکہ اہلِ علم کا ایک طبقہ ایسا بھی ابھر کر سامنے آگیا ہے جو اسلام کا مطالعہ خالص علمی نقطۂ نظر سے کرنے کا مدعی ہے اور نئے رجحانات کی روشنی میں اسباب و علل کا تجزیہ کرنا چاہتا ہے۔

آج بین الاقوامی معاملات اور تعلقات نے ایک نیا رُخ اختیار کرلیا ہے۔ اب وہ کتاب جو بین الاقوامی نقطۂ نظر سے نہ لکھی جائے مشہور و مقبول نہیں ہوسکتی۔ اب مستشرقین صرف عیسائیوں کو خوش کرنے کے لیے اسلام کی مذمت آسانی سے نہیں کرسکتے اور بے دھڑک فرضی داستانیں جو قرونِ وسطیٰ میں سنائی جاتی تھیں نہیں سنا سکتے مثلاً یہ کہ مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بتوں کی پوجا کرتے ہیں[۱] کیونکہ آج ان کا مشاہدہ ہی ان کی تکذیب کردے گا۔ ان کی کتابیں دنیا کے مختلف خطوں میں جائیں گی، ہر جگہ سے تنقید اور نکتہ چینی ہوگی ان کی بدنامی بھی ہوگی اور کتابوں سے آمدنی بھی متاثر ہوگی۔

بین الاقوامی شہرت حاصل کرنے اور اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے بین الاقوامی مذاکرات اور سمینار میں شرکت بھی ضروری ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کی علمی مجالس میں اہلِ علم کے روبرو دروغ گوئی بہت مہنگی ثابت ہوگی اس کے علاوہ اب مستشرقین یہ بھی نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو مشتعل کیا جائے اس لیے کہ اسلامی ممالک سے ان کے سیاسی اور معاشی مفادات وابستہ ہیں اور وہاں اعلیٰ ملازمتوں اور عہدوں پر وہ فائز ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عصرِ حاضر کے بیشتر مستشرقین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں وہ ہجر اور بیہودہ باتیں کم از کم کھل کر نہیں کہتے جو قرونِ وسطیٰ کے عیسائی علماء بے دھڑک لکھا کرتے تھے۔

(۱۲) لیکن کیا مستشرقین کا نقطۂ نظر بھی بدل گیا ہے، ان کے مقاصد بھی بدل گئے ہیں، اور کیا اب یہ حق گوئی اور دیانت سے کام لینے لگے ہیں؟ اگر آپ کا یہ خیال ہے تو آپ کو مایوسی ہوگی، کیونکہ

---

[۱] اسلام اور مغرب، ص ۲۶

عصر حاضر کے مغربی سیرت نگاروں نے الفاظ بدلے ہیں، واقعات پیش کرنے کا انداز ضرور بدل دیا ہے مگر بنیادی اعتبار سے مقصد وہی ہے جو ایک ہزار سال پہلے تھا[۱] یعنی بات وہی کہتے ہیں جو ان کے پیشرو کہا کرتے تھے، مگر الفاظ بدل گئے ہیں اور کہنے کا انداز مختلف ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ان کے طرز نگارش کی جھلک:۔

یہ ماہر مستشرقین (جن میں میور، مارگولیتھ، اور واٹ جیسے سب شامل ہیں) اپنے تمہیدی کلام میں چند باتیں واضح طور پر کہہ دیتے ہیں مثلاً نہایت سادگی سے لکھتے ہیں:۔

یورپ میں اب تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اس اعتبار سے ناقص تھیں کہ زیادہ تر غیر مستند واقعات پر مشتمل تھیں، کچھ تعصب سے بھی کام لیا گیا اور واقعات کے تمام پہلوؤں کا جائزہ نہیں لیا گیا۔ اس کے بعد یقین دلاتے ہیں کہ ہم غیر جانب داری سے کام لیتے ہوئے مستند واقعات ہی بیان کریں گے اور اسباب و علل کا تجزیہ بھی معقول انداز میں کریں گے۔

اس طرح قارئین پر یہ تاثر قائم ہو جاتا ہے کہ ان کی کتابوں میں کم از کم وہ بیہودہ باتیں نہیں ہوں گی جو قرون وسطیٰ کے عیسائی یا یہودی لکھتے تھے۔

اس کے بعد یہ فن کار سیرت نگار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی حالت بیان کرتے ہیں، روایات کی چھان بین کرتے ہیں اور کچھ اس طرح نقشہ کھینچتے ہیں کہ گویا سرزمین عرب ایک مذہبی رہنما کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ یہ بات ذہن میں بٹھا کر آہستہ آہستہ کھلتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے مشرکانہ عقاید، جاہلانہ رسوم، یہودیوں کے عقاید اور عیسائیوں کے کچھ اصولوں کے امتزاج سے ایک نئے مذہب کی تشکیل کی اور اسے اسلام کا نام دے دیا۔ حالات نے مجبور کر دیا کہ آپ نبوت کا دعویٰ کریں چنانچہ آپ نے یہ دعویٰ کر دیا۔ حالات کے دباؤ اور مختلف اثرات سے آپ پر ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہوئی اور اس کیفیت میں جو کچھ آپ نے کہا اسے قرآن کا نام دے دیا گیا۔ انہی تاثرات

---

[۱] نارمن ڈینیل کی رائے بھی یہی ہے۔ ملاحظہ فرمایئں "اسلام اور مغرب" ۲۵۷، ۲۷۹، ۲۸۷، ۲۹۴، ۳۰۰۔

کو آپ نے خدا کی طرف سے وحی سمجھ لیا۔ اس پر خاص طور سے زور دیا جاتا ہے کہ قرآن میں بیشتر باتیں وہی ہیں جو آپ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے وقتاً فوقتاً سنی تھیں۔ عرب کا قبائلی اور معاشی نظام کچھ اس نوعیت کا تھا کہ وہ آپ کے پیش کردہ اصولوں کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ بالآخر مدینہ کے حالات سازگار دیکھ کر آں حضرتؐ وہاں چلے گئے۔ معاشی دباؤ بڑھا تو قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کیے، مالِ غنیمت ہاتھ آیا، پھر یہودیوں کو زمینوں سے بے دخل کیا، اُن کے ایک قبیلہ کا قتل عام کیا جو اسلام کی پیشانی پر بدنما داغ ہے۔ آپ کی دنیوی سوجھ بوجھ کی تعریف کرنے کے بعد کہہ دیتے ہیں کہ آپ کی ازدواجی زندگی یورپ کے معیار سے دیکھی جائے تو قابلِ اعتراض ہے نہ عربوں اور مشرقی لوگوں کے نقطۂ نظر سے کچھ زیادہ قابلِ اعتراض نہیں۔ پھر جہاد، جزیہ، تعدد ازدواج، طلاق، غلامی، تقدیر اور اسلام کے دوسرے اصولوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور اس انداز سے گویا مسلمانوں کی ہمدردی میں ایسا کر رہے ہیں۔

یہ وہی تمام باتیں ہیں جو ہزار سال پہلے کے متعصب عیسائی اور یہودی کہتے تھے۔ وہ "جھوٹا نبی" کہتے تھے ایسے الفاظ تو جدید مستشرقین استعمال نہیں کرتے مگر اتنا تو صاف طور پر کہہ دیتے ہیں کہ آپ کو ایسا معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں، یعنی یہ کہ واقعی نبی نہیں تھے۔ نتیجہ ایک ہی نکلا کہ آپ کا نبوت کا دعویٰ صحیح نہیں۔ اس طرح گھما پھرا کر الفاظ کے پھیلاؤ، الجھاؤ اور عبارتوں کی ساحری سے وہی سب کچھ کہہ جاتے ہیں جو ان سے پہلے یہودی اور عیسائی متعصب اہلِ قلم کہا کرتے تھے، فرق صرف اتنا ہے کہ انتہائی کڑوی اور تلخ عبارتوں پر "جدید نظریات" "تحقیق و تنقید" کی قابلِ قبول اور پُر فریب تہیں چڑھا دیتے ہیں تاکہ پہلی ہی نظر میں مسلمان بھڑک نہ جائیں۔

اگر آپ گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ نویں ۔ دسویں صدی عیسوی سے انیسویں صدی عیسوی کے اختتام تک جتنی بیہودہ اور رکیک باتیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یورپین مصنفین نے کہی تھیں اُن سب کو بیسویں صدی کے مشہور مستشرق مارگولیتھ (MARGOLIOUTH) نے بلاجھجک انہی بیہودہ الفاظ کے ساتھ دہرا دیا[1]۔ یہی حال اس کے

---

[1] مارگولیتھ کی کتاب MOHAMMED AND THE RISE OF ISLAM ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں درج بیہودہ باتوں کو نقل کرنا ضروری نہیں اور نہ صفحات کا حوالہ کیونکہ پوری کتاب ہی واہیات باتوں سے لبریز ہے۔

ہم نواؤں کا ہے۔

دوسرا طبقہ ذرا محتاط مستشرقین کا ہے جس میں (MONTGOMERY WATT) مونٹگمری واٹ کو شامل کیا جاسکتا ہے[۱] اس نے الفاظ اور طرز استدلال بدل کر اس طرح عبارت آرائی کی ہے، اور واقعات و الفاظ کو توڑ مروڑ کر اس طرح عجیب و غریب معنی پہنائے ہیں کہ نتائج وہی نکلتے چلے جاتے ہیں جو میور اور مارگولیث اور اس کے پیشرو کے تھے۔ البتہ جملوں میں وہ تلخی محسوس نہیں ہوتی جو قرونِ وسطیٰ کے مستشرقین کے جملوں میں ہوتی تھی یہی ان کی فن کاری اور بازیگری ہے۔

(۱۳) اس صف میں اب اشتراکی بھی شامل ہوگئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی تشریح اشتراکی نقطۂ نظر سے کی جائے اور اس کے لیے عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے۔ جس کے بعد اسلام اور اس کے اثرات کو ختم کیا جاسکے گا۔ بنیادی اعتبار سے یہ وہی نقطۂ نظر ہے جو قرونِ وسطیٰ کے متعصب مستشرقین کا تھا۔[۲]

(۱۴) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب تو دنیا کے حالات اتنے بدل چکے ہیں، اسلام کا سیاسی اور معاشی دباؤ بھی ختم ہوچکا، اب مستشرقین کو اسلام سے عداوت کیوں ہے، کیوں اس کی تاریخ کو مسخ کرنے سے باز نہیں آتے، آخر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بے بنیاد الزامات لگانے اور حقائق کو دبانے کی روش ترک کیوں نہیں کرتے؟ کیا واقعی یہ اسلام کی صداقت کے بارے میں شبہات میں مبتلا ہیں؟

یہ بات نہیں۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں لیکن اس حقیقت کے اعتراف کے سوا اور ساری باتیں تنہا پُر فریب انداز میں تو کہتے ہیں، لیکن وہ سچائی جو روز روشن کی طرح ان پر عیاں ہے نہیں کہتے۔[۳]

---

[۱] واٹ نے سیرت پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں MUHAMMED AT MECCA, MUHAMMED AT MEDINA زیادہ مشہور ہیں۔ [۲] ملاحظہ فرمائیں "اسلام اور مغرب" ۳۰۲ - ۳۰۵ [۳] "اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (یعنی اہل کتاب کے علماء) اُن پر حقیقت حال پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ پیغمبر اسلامؐ کو ویسے ہی پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں۔ لیکن اس پر بھی ان میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پہلے ایک الزام لگاتے ہیں اور جب وہ کسی طرح چسپاں نہیں ہوتا تو منکرین مکہ کی طرح دوسرا الزام لگاتے ہیں نکتہ چینی اور حملے انداز بدل بدل کر کرتے ہیں اور جب ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر محاذ بدل دیتے ہیں۔ آخر اب اس اسلام دشمنی کی تہہ میں کون سے عوامل اور محرکات کارفرما ہیں؟

(۱۵) دراصل معاملہ کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ مستشرقین دیانت داری سے کام لے نہیں سکتے، کیوں کہ:۔

(i) اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اصولوں میں شدید اختلاف ہے۔ اسلام کا بنیادی اصول ہے لا الٰہ الا اللہ یعنی کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، وہ احد ہے۔ اس کے برخلاف عیسائیت کا بنیادی عقیدہ تثلیث ہے یعنی تین خدا ہیں۔ اسلام کے نزدیک عقیدۂ تثلیث باطل ہے اور عیسائیت کے نزدیک تثلیث کے بغیر توحید ممکن نہیں۔

اب ذرا سوچیے اگر مستشرقین اسلام کے تصور توحید کو اسی انداز میں پیش کریں جس انداز میں قرآن نے پیش کیا ہے، اور اس کی تائید میں وہ دلائل بھی بیان کر دیں جو قرآن نے بیان کیے ہیں تو کیا ان کے مخاطب جن میں عیسائی اور یہودی بھی شامل ہوں گے، اسلام کی صداقت کے قائل نہیں ہو جائیں گے اور ان کا عیسائیت پر سے رہا سہا ایمان بھی نہ اٹھ جائے گا؟ کیا یہ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلانے کے مترادف نہ ہوگا؟ کیا آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ مستشرقین (جو کم از کم برائے نام خود کو یہودی اور عیسائی تو کہتے ہی ہیں) اپنے مذہب کی مخالفت کرنے لگیں؟

(ii) رہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوائے رسالت تو ہم مستشرقین سے یہ نہیں کہتے کہ وہ آپ کے دعوے کی تردید نہ کریں، بلکہ شوق سے کریں، اور ان اعتراضات کو بھی نقل کریں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے کیے تھے، اور ان پر اگر اضافہ کر سکتے ہوں تو بھی وہ کرلیں، اس کے بعد معقول بات یہ ہوگی کہ ان کے وہ جوابات بھی نقل کریں جو قرآن نے دیے ہیں۔ قرآن کی ایک آیت کا غلط مطلب بیان کر کے اسی کو نقل کیے جاتا اور یہی رٹ لگائے جاتا کہ

(بقیہ گذشتہ حاشیہ) ایک گروہ ایسا ہے، جو دیدہ و دانستہ سچائی کو چھپاتا ہے (اور اس کا اعتراف نہیں کرتا، پس جن لوگوں کی حق فراموشیوں کا یہ حال ہو، ان سے اعترافِ حق کی کیا امید ہو سکتی ہے؟) البقرہ ۲: ۱۴۱

آپ نے کوئی معجزہ اپنی رسالت کے ثبوت میں پیش نہیں کیا، لیکن جب قرآن یہ دعویٰ کرے کہ اس کے کلام الٰہی ہونے میں اگر تمہیں شک ہے تو اس جیسا قرآن یا ایک ہی سورت پیش کردو تو اس کے جواب میں نہ تو کوئی سورت پیش کرنا اور نہ اپنی عاجزی اور سچائی کا اعتراف کرنا کہاں کی علمیت اور دیانت ہے۔

قرآن میں جو دوسرے معجزات کا ذکر ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کرلینا صحیح احادیث میں اگر معجزات ثابت ہیں تو اُن تمام احادیث کو بلا کسی ثبوت کے ناقابلِ اعتبار اور موضوع قرار دے دینا کہاں کی دیانت داری ہے۔ ہم مستشرقین سے پوچھتے ہیں کہ محدثین کی جانچی پرکھی احادیث کو آخر کس بنیاد پر موضوع قرار دیتے ہیں۔ ان صاحب نظر محققین کی تحقیق شدہ احادیث کے بارے میں آپ کے قول کی وقعت ہی کیا ہے، کیا مستند ہے جو آپ نے فرما دیا؟

اور زیادہ تو نہیں جن معیارات پر احادیث کو پرکھا گیا ہے انہی معیار پر ذرا بائبل کی روایات اور اپنی تاریخ کو بھی پرکھ کر دیکھیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بائبل کی روایات اساطیر سے زیادہ آگے نہیں بڑھ سکیں گی، اور آپ کو اپنی تاریخی روایات بھی موضوع معلوم ہونے لگیں گی۔

(iii) اسی طرح عقیدہ آخرت پر اعتراضات کیجئے، لیکن دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن کے دلائل بھی نقل کیجئے۔

ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مستشرقین (یا دوسرے غیر مسلم) سیرت اور اسلام پر اعتراضات کے ساتھ ان کے جوابات نقل نہیں کرسکتے اور اسلام کی صحیح تصویر پیش کرہی نہیں سکتے کیونکہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس طرح اسلام کی صداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گی، ان سے کوئی جواب نہ دیا جاسکے گا، اس کا اثر یہ ہوگا کہ ان کے مخاطبین (وہ چاہے یہودی ہوں یا عیسائی، اشتراکی ہوں یا دہریے) اسلام کی صداقت کے قائل ہو جائیں گے، یہ اور بات ہے کہ زبان سے اقرار نہ کریں۔

ہم یہ بات کسی خوش فہمی کی بناء پر نہیں کہہ رہے بلکہ یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے۔ غور فرمائیے:

ابتدا میں مشرکین مکہ اور دوسرے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اسلام کے اصولوں

پرچی کھول کر نکتہ چینی کی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر ممکن اعتراض کیا، توحید و رسالت کے بارے میں سو طرح کے شبہات نکالے، مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، سب کچھ کہتے رہے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مان کر نہ دیا۔ تیئس[۲۳] سال کی مدت میں کوئی کسوٹی ایسی نہیں تھی جس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کو پرکھ کر نہ دیکھ لیا ہو۔ لیکن بالآخر کیا ہوا۔ عرب کا کوئی فرد ایسا نہیں بچا جس نے آپ کی رسالت کو تسلیم نہ کر لیا ہو، کوئی آنکھ ایسی نہیں بچی جس نے سچائی کو دیکھ کر مان نہ لیا ہو۔

اتنا وقت کیوں لگا؟ اس لیے کہ وہ سچائی کو دیکھنا نہیں چاہتے تھے، سچائی کو مٹا نہیں سکتے تھے، وہ سچائی جو آفتاب سے زیادہ روشن نظر آ رہی تھی، اس کا اُن کے پاس ایک ہی علاج تھا، وہ یہ کہ اپنی آنکھیں بند کر لیں، اپنے کان بند کر لیں تاکہ سچائی اُن کے کانوں کے ذریعہ دل میں نہ اتر سکے، اور اتنا شور مچائیں کہ قرآن کے الفاظ اُن کے کانوں میں نہ پڑ سکیں۔ جب تک مخالفین اس روش پر قائم رہے سچائی کو جھٹلاتے رہے لیکن جیسے ہی انھوں نے آنکھیں کھولیں، قرآن سنا، پردے اٹھ گئے، بے لاگ حقیقت ان کے قلوب میں اتر گئی اور بے ساختہ پکار اٹھے کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔

ٹھیک یہی معاملہ مستشرقین کا ہے، یہ بھی سچائی کو دیکھنا نہیں چاہتے، اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، دوسرے کو بھی اس سے محروم رکھتے ہیں، قرآن کے الفاظ مخاطبین تک پہنچنے ہی نہیں دیتے، اور معاشی عوامل، سیاسی پس منظر، قبائلی نظام اور اس قسم کا شور مچا کر چاہتے ہیں کہ قرآن کی صداقت کو دبا دیں۔ جب تک یہ اس روش پر قایم رہیں گے سچائی سے دور رہیں گے لیکن جیسے ہی انھوں نے اسلام کو صحیح ڈھنگ سے دیکھا اور پیش کیا تو اسلام کی بے لاگ صداقت ان کے سامنے آ کھڑی ہو گی اور یہی وہ چیز ہے جسے یہ دیکھنا اور دکھانا نہیں چاہتے، اسباب وہی ہیں جو منکرینِ عرب کے معاملے میں تھے۔

یعنی ان میں اب بھی یہی خوف ہے کہ ان کے ہم مذہبوں نے اگر واقعی اسلام کا مشاہدہ کر لیا تو پھر اس کے اثر میں آئے بغیر نہ رہ سکیں گے اور پھر اسلام یورپ پر اور ان کے ممالک پر چھا جائے گا اور وہی خطرات سامنے آ جائیں گے جو عروج اسلام کے وقت رونما ہوئے تھے۔

(۱۶) اس کا ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے۔ مستشرقین یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر

یہودیت اور عیسائیت کو ٹھیک اسی شکل میں پیش کیا جائے جس میں موجودہ بائبل پیش کرتی ہے تو اس میں کوئی اپیل نہیں ہوگی، خود عیسائیوں اور یہودیوں کے دلوں میں ہزاروں شبہات پیدا ہو جائیں گے اور بالخصوص اسلام کے مقابلے میں اس کی صداقت ثابت کرنا ناممکن ہو جائے گا اور پھر معاملہ ہاتھوں سے نکل جائے گا[1] اسی خوف کی وجہ سے اوّل دن ہی سے یہودیت اور عیسائیت کے علمبرداروں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس مسئلہ کو چھیڑا ہی نہ جائے یعنی اپنے مذہب کو بائبل کی روشنی میں آنے ہی نہ دیا جائے۔ بلکہ اپنے ہم مذہبوں کا دھیان اس طرف سے ہٹا کر اسلام کی مذمت پر لگا دیا جائے۔

اس سے دو فائدے ہوئے، ایک تو عام یہودی اور عیسائی اپنے مروجہ مذہب پر قائم رہے اور اس کی خامیوں سے واقف نہ ہو سکے اور دوسری طرف مسلمان دفاع پر مجبور ہو گئے، انھوں نے سیرت اور تاریخ اسلام کو کچھ اس طرح الجھایا اور پے در پے اتنے اعتراضات کیے کہ اہل اسلام معاملات کو سلجھانے اور ان کے عائد کردہ الزامات کی تردید اور صفائی میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس طوفان کی تاب نہ لا سکا اور صفائی کرتے کرتے مصالحت پر اتر آیا اور کہیں کہیں تو اعترافِ شکست کے بعد ہتھیار ہی ڈال بیٹھا۔ مستشرقین نے مختلف سمتوں سے کچھ اس طرح منظم حملے کیے کہ مسلمان اختلافات میں الجھ گئے اور سچائی خود ان کی نظروں میں مشتبہ ہو گئی۔ یہی مستشرقین کا مقصد تھا۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ تحریف کے باوجود بائبل میں اب بھی ایسی عبارتیں موجود ہیں جو اگر عام تعلیم یافتہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سامنے صحیح ڈھنگ سے پیش کر دی جائیں تو ان کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ خود ان کی مقدس کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کر رہی ہے۔

---

[1] چنانچہ جب مغربی مورخین نے بائبل پر تنقیدی نظر ڈالی تو انھیں معلوم ہوا کہ اس میں کتنی تحریف ہوئی ہے۔ اس میں کتنی متضاد اور حقیقت سے بعید باتیں ہیں۔ ان کا ایمان تو اس پر سے اٹھا ہی لیکن جب ان کے تاثرات منظر عام پر آئے تو یورپ میں ایک ہلچل مچ گئی بالآخر تعلیم یافتہ یورپین کا عیسائیت سے بس برائے نام تعلق رہ گیا۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کی تالیف "مغربی تہذیب"

مستشرقین کے دل میں یہ خوف بھی تھا کہ کہیں ان کے ہم مذہب اس محاذ پر شکست نہ کھا جائیں۔ یہ ان عبارتوں کی تشریح تو غلط کر سکتے تھے لیکن محو نہیں کر سکتے تھے اور یہ اندیشہ تھا کہ لوگ صحیح مطلب بھی سمجھ سکتے ہیں، ایسی صورت میں کیا ہوگا یہی وہ نفسیاتی دباؤ تھا جس کی وجہ سے یہ اسلام کی تاریخ کو مسخ کرنے پر تل گئے یعنی کم از کم وہ تمام پہلو مشتبہ کر دیں جن پر بائبل کی پیشین گوئیاں صادق آرہی تھیں۔

بحث طویل ہو جائے گی اس لیے ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ بائبل (کتاب استثنا، باب ۱۸) میں صاف الفاظ میں خدا کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آیندہ خداوند، حضرت موسیٰؑ کی مانند ایک رسول بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسمٰعیل) میں پیدا فرمائے گا اور بنی اسرائیل کو تاکید کی گئی کہ اُس کی اطاعت کریں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پیشین گوئی پوری طرح منطبق ہو رہی تھی۔ لیکن بائبل کی اس پیشین گوئی کا حوالہ دیئے بغیر ہی یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل میں سے نہیں ہیں[1]

حاصل بحث یہ کہ حالات کا کچھ دباؤ اور مقتضا ہی یہ ہے کہ مستشرقین اسلام کے بارے میں دیانت داری سے کام نہیں لے سکتے اور اس کو صحیح ڈھنگ سے پیش نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہی اسلام کی تائید اور عیسائیت اور یہودیت کی تردید ہے۔ انھیں اپنے مذہب اور مسلک کا دفاع کرنا ہے اس کے لیے وہ اسلام کی عمارت کو منہدم کرنا چاہتے ہیں۔ جو رویہ ان کا چودہ سو سال پہلے تھا وہی آج بھی ہے، کچھ پرانی تلخ یادیں ہیں اور کچھ آیندہ کے بارے میں خطرات ہیں۔

پس چہ باید کرد؟

جب صورتِ حال یہ ہے تو مسلم علماء کیا کریں، کونسا رویہ اختیار کریں؟ ان کے سامنے کئی راستے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "وہ نبی" تحقیقات اسلامی۔ شمارہ اول جنوری۔ مارچ ۸۲ء

(۱) جوابی حملہ کریں - یعنی جس طرح یہودی، عیسائی سیرت نگار اور مورخین واقعات کو توڑ مروڑ کر، عبارتوں کو سیاق و سباق سے نکال کر، فرضی داستانوں کا سہارا لے کر اور من گھڑت داستانیں بیان کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلط، بے بنیاد اور بیہودہ باتیں لکھتے ہیں، آپ بھی یہی کریں اور بائبل کی عبارات کو لے کر ان کے مذہبی رہ نماؤں کے بارے میں ایسی ہی باتیں کہیں جیسی یہ کہتے ہیں۔

یہ کام بہت آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے کیوں کہ آپ کو من گھڑت افسانوں کی ضرورت پیش آئے گی نہ عبارات کو سیاق و سباق سے نکالنے کی، بلکہ موجودہ بائبل کی واضح عبارتیں ہی یہ کام انجام دے دیں گی۔

لیکن آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے مذہبی رہ نما ہمارے لیے بھی قابل احترام ہیں۔ ہم ان کی شان میں وہ الفاظ استعمال نہیں کر سکتے جو یہ کر جاتے ہیں۔ اس جوابی حملہ میں ہم خود اپنی متاع گنوا بیٹھیں گے۔

ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ ان کے مذہبی رہ نما (حضرات ابراہیمؑ، یعقوبؑ، داؤدؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ وغیرہم) ہمارے نزدیک تقدس کے پیکر تھے۔ ان کی تعلیمات سب برحق تھیں۔ ہماری کوشش یہی ہے اور ہوگی کہ ان کو اسی طرح مانا اور پیش کیا جائے جیسے کہ یہ واقعی تھے۔ لیکن دقت یہ ہے کہ ان کی طرف منسوب کتابیں ان کو غلط روپ میں پیش کر رہی ہیں اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کر رہی ہیں جو کسی طرح ان کی شایان کے شان نہیں۔ ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو موجود بائبل کو صحیح مانیں اور ان عظیم الشان ہستیوں کے بارے میں غلط باتیں تسلیم کریں یا ان مآخذ کو غلط مانیں جو انھیں ایسے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں ہمارا مسلک یہ رہا ہے اور رہے گا کہ ان ہستیوں کی عظمت برقرار رکھیں اور اُن مآخذ کو غلط سمجھیں جو انھیں غلط ڈھنگ سے پیش کر رہے ہیں۔

اس کے برعکس یہودی اور عیسائی علماء کی کوشش یہ ہے کہ صحیح مآخذ کو مسخ کر دیں کیونکہ ان سے نہ صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ خود ان کے رہ نماؤں کی عظمت ظاہر ہو رہی ہے۔ یہ بائبل کی طرح قرآن کو غیر محفوظ کہہ نہیں سکتے، یہ بھی مانتے ہیں کہ قرآن انتہائی

مستند ماخذ ہے، اور قرآن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور خاتم الانبیاء بتا رہا ہے اس لیے یہ لوگ ایک عجیب کشمکش میں مبتلا نظر آتے ہیں، قرآن کو غیر مستند کہہ نہیں سکتے، مستند ماننے پر مجبور، اور ایسا کرتے ہیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رسالت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، اس گرفت سے کس طرح آزاد ہوں؟

یہی وجہ ہے کہ نہ قرآن کا سہارا لے سکتے ہیں نہ مستند واقعات کا بجز اس کے کہ اپنی طرف سے بے سند باتیں کہیں، اور الفاظ کو توڑ مروڑ کر غلط معنی پہنائیں اور اللہ کے عظیم المرتبت رسول کی شان میں بیہودہ باتیں کہیں۔ اور ہم جوابی کارروائی میں ایسا نہیں کر سکتے۔

(ii) یہ کہ ان کے عائد کردہ الزامات کی جوابدہی کریں اور صفائی پیش کریں۔ یہ کام ہوتا رہا ہے، اور جاری رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن کچھ زیادہ مفید نظر نہیں آتا۔ ایک تو یہ کہ اس سے یہ لوگ کسی طرح مطمئن نہیں ہوں گے، دوسرے یہ کہ آپ ایک الزام کا جواب دیں گے، یہ دوسرا پیش کر دیں گے، اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے اسے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

اگر آپ یہ ثابت بھی کر دیں کہ قریش کے قافلوں کو نہیں لوٹا گیا تو بھی یہ نہیں مانیں گے اور فرض کیجئے انھوں نے تسلیم کر بھی لیا تو کیا اس کے بعد یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لیں گے؟ ہرگز نہیں۔

اسی طرح یہودیوں کا اخراج، جہاد اور جزیہ، تعدد ازدواج، طلاق اور پردہ وغیرہ ان سب کی کہاں تک صفائی پیش کریں گے، اور مان لیجئے کہ آپ نے ان سب کی معقول توجیہ بھی کر دی تو کیا یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیں گے اور ایمان لے آئیں گے ہمارے نزدیک موجودہ حالات میں ان سے یہ توقع بہت زیادہ ہے۔

(iii) ہمارے نزدیک زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کی باتوں پر بہت زیادہ دھیان نہ دیا جائے بلکہ بلا خوف و خطر وہی کچھ پیش کریں جو قرآن پیش کر رہا ہے۔ — آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت کو قرآن ہی کی روشنی میں پیش کریں، اور مستند ماخذ سے استفادہ کریں، نہ معذرت کریں نہ مصالحت۔ اگر ہم قرآن کے فطری انداز کو اختیار کر لیں تو امید ہے اس کے وہی نتائج برآمد ہوں گے جو پہلے ہو چکے ہیں، مخالفین کی آوازیں پست ہو جائیں گی، صداقت گونجنے لگے گی اور سچائی آشکارا ہو کر رہے گی۔